

عالمی تعاون کے لئے اسلامی بنیاد

اتحاد اسلامی اور عالمی تعاون

پروفیسر ایسے اے حسن ○ ترجمہ: شاہ محی الحق فاروقی

یہ اس انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے جو بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ راولپنڈی (فروری ۱۹۶۸ء) میں ملائیشیا کے مندوب پروفیسر ایس۔ اے حسن نے پیش کیا تھا۔

دنیا نے اسلام ان دنوں اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا موقع نہیں کہ عالم اسلام کو ایسے غیر معمولی ہمہ گیر مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہو جو خود اسلام کی بقا کے لئے خطرہ نظر آئیں۔ مثال کے طور پر پانچویں اور چھٹی ہجری (مطابق گیارہویں بارہویں عیسوی) صدیوں نے یروشلم فتح کرنے کی کوشش میں شام اور فلسطین پر یورپ کی عیسائی حکومتوں کے مسلسل حملوں کا مشاہدہ کیا۔ ابتدا میں مسلمانوں کی تباہ کن ناکامیوں کے باوجود صلیبی جنگوں نے مسلمانوں کے لئے ایک نقطہ اجتماع کا کام دیا اور آخر کار عماد الدین نور الدین اور فیصلہ کن طور پر صلاح الدین کی انتہک کوششوں نے اس طوفان کا رخ اسلام کے حق میں موڑ دیا۔

ساتویں صدی میں دنیا نے اسلام پر جو عظیم ترین حادثہ گزرا وہ مغلوں کا حملہ اور بغداد کا زوال تھا۔ عصری سیاسی اداروں کی نسبت جو پہلے ہی سے ایک زوال پذیر کیفیت میں مبتلا تھے اس حادثہ کی زیادہ سنگین ضرب اسلام کی علمی اور ثقافتی زندگی پر پڑی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شیراز، طوس، مرو، نیشاپور، بخارا اور بغداد کی عظیم الشان دانش گاہوں اور علمی مرکزوں کی بدولت علمی اور ثقافتی عروج اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

اسی طرح نویں (پندرہویں) صدی میں اندلس میں مسلمانوں کے زوال نے یورپ میں اسلام کی ترقی کی راہ میں ایک ناقابل عبور رکاوٹ پیدا کر دی، کوئی آٹھ سو برس تک قرطبہ، اشبیلیہ، مالقہ

اور غرناطہ کی دانش گاہوں کے ذریعہ اندلس کے مسلمانوں نے خود اپنے تخلیقی کاموں سے بھی اور قدیم علوم و فلسفہ کے تراجم سے بھی یورپ پر ایک ایسا گہرا ثقافتی اثر ڈالا تھا جس نے مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ کو ممکن بنا دیا تھا۔ ۱۷

آخر کار بارہویں (اٹھارہویں) اور تیرہویں (انیسویں) صدی میں نوآبادیاتی نظام کی ابتدا کی وجہ سے دنیائے اسلام استعماری طاقتوں کی توسیعی حکمت عملی کا نشانہ بن گئی۔ بعد میں استعمار سے سیاسی اور معاشی آزادی حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کی جدوجہد اس احیاء اور تشکیل نو کی تاریخ کا ایک حصہ ہے جو شدید داخلی حالات کے چیلنج اور خارجی خطرات کے دوہرے محرک کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ ۱۸

اس میں شک نہیں کہ یہ تمام واقعات مسلمانوں کے لئے عزیزتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سائنس اور جدید علوم و فنون کے میدان میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک بہت آگے نکل جانے اور ترقی پذیر ممالک، جن کا بڑا حصہ ایشیا و افریقہ کے اسلامی ممالک پر مشتمل ہے، ان کے اس میدان میں انفس ناک حد تک پیچھے رہ جانے کے باعث اب مسائل اور زیادہ سنگین ہو چکے ہیں۔

سائنس اور جدید علوم و فنون سے پیدا ہونے والی قوتیں جب پُر امن مقاصد کے لئے استعمال ہوں تو ترقی پذیر قوموں کے لئے نعمت و برکت ہی جاتی ہیں لیکن جب ان کا مقابلہ کسی ایسی مخالف طاقت سے ہوتا ہے جو اس قوت کو جنگ کی تخریبی کارروائیوں میں استعمال کرتی ہے تو پھر یہی قوت ان کے پوسے وجود کے لئے خطرہ بن جاتی ہے۔ دنیائے اسلام ان دنوں اس ہنگامی اور سنگین مسئلہ اور اس کے دور رس اثرات سے دوچار ہے جس کی مثال پوری تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔ صلیبی جنگیں، زوال بغداد، سقوط اسپین حتیٰ کہ بارہویں (اٹھارہویں) اور تیرہویں (انیسویں) صدی کی یورپ کی توسیعی حکمت عملی جیسے اہم واقعات اس وقت اپنی ساری اہمیت کھودیتے ہیں جب ہم ان کا مقابلہ موجودہ مسائل سے کرتے ہیں جو دو انتہاؤں کے درمیان انتخاب کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے یعنی یا تو ایسے معاشرہ کی طرح زندہ رہے جو "سائنسی علوم اور ان پر مبنی فنی قابلیت" کو استعمال کرتا ہو یا پھر اپنی آزادی اور اسلامی انفرادیت کو کھو دے۔

جب تک مسلم ممالک زراعت و صنعت میں جدید ترین سائنسی طریقوں کو استعمال کرنا نہیں سیکھیں گے وہ اپنی روز افزوں آبادی کا معیار زندگی بلند نہیں کر سکیں گے۔ اسی کے ساتھ جب تک مسلم ممالک دفاع کے

معاملہ میں بھی یہی موقف اختیار نہیں کریں گے ان کی آزادی اور اقتدار کو ہر وقت خطرہ لاحق رہے گا۔ اگر انہوں نے اپنی ساری توجہ صرف ایک پہلو پر مبذول کی تو دوسرا بے توجہی کی نذر ہو جائے گا۔ ان حالات میں پہلے انہیں اپنی آزادی اور اقتدار کی حفاظت کرنی پڑے گی اور پھر انہیں اپنے عوام کے لئے بہتر حالات زندگی مہیا کرنے پڑیں گے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس ملک کو ہمہ گیر صنعتی ترقی حاصل ہو جاتی ہے وہ خارجی حملوں سے اپنے دفاع کے لائق بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ پھر اسے دفاع کے لئے ضروری اسلحہ و سامان حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

ان حالات میں مسئلہ یہ ہے کہ مسلم ممالک کو صنعت کی راہ پر کس طرح ڈالا جائے۔ کیا خام مال، افرادی قوت، فنی ماہرین اور سائنس دانوں کے معاملہ میں مسلم ممالک خود کفیل ہیں؟ کیا فرداً فرداً وہ اس لائق ہیں کہ موجودہ دنیا کی طرف سے ان پر جو دباؤ پڑ رہا ہے اسے برداشت کر سکیں؟

ان سوالوں کے جواب بڑی حد تک نفی میں ہیں۔ کوئی مسلم ملک بھی آج خود کفیل نہیں ہے۔ یہ جواب ہمیں ایک دوسرے سوال کی طرف لے جاتا ہے کہ کیا مسلم ممالک ایک دوسرے کو اس قسم کی مدد دے کر خود کفیل ہو سکتے ہیں؟ مختلف اسباب کی بنا پر اس عارضی کارروائی کا اثر نہ صرف محدود ہوگا، بلکہ یہ مسئلہ کا کوئی مستقل حل بھی نہیں ہوگا۔ مزید برآں یہ مسئلہ امداد لینے والے اور دینے والے دونوں ہی کے لئے ایک نسبی نسبت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ خام مال کے بدلے میں یا باہمی سود مند رعایتوں کی بنیاد پر جو ملک امداد دیتا ہے وہ کچھ شرائط بھی عائد کر دیتا ہے خواہ وہ امداد حاصل کرنے والے ملکوں کے لئے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ آج کی دنیا میں یہ توقع کرنا زیادتی ہے کہ امداد لینے والا ملک محض انسان دوستی اور ہمدردی کی بنیاد پر کام کرے گا۔ اس امداد سے جو سیاسی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں ان کے علاوہ خود اس امداد کی مقدار بھی ہمیشہ اتنی نہیں ہوتی کہ وہ کم ترقی یافتہ ملکوں کو پورے طور پر صنعتی ملک بنائے یا ان کی پیداواری صلاحیتوں میں اضافہ کرے۔ اس طرح ترقی پذیر ملکوں میں دوسرے پر اعتماد و انحصار کا رجحان گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ مزید برآں اگر اپنی خارجی حکمت عملی کی بنا پر امداد دینے والا ملک امداد بند کر دینے کا فیصلہ کرے تو پھر چنانچہ ایک ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جس کا اثر اس وقت میں پُرکڑنا دشوار ہو جاتا ہے۔

ان حالات میں مسلمان ملکوں کے لئے بہتر یہی قابل قبول لائحہ عمل کیا ہے۔ میں نے اس مختصر سے مقالہ میں اسلام کی تاریخ اور تعلیمات کی روشنی میں چند تجاویز کا ایک خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا غالباً کوئی بھی مسلم ملک ہر لحاظ سے خود کفیل نہیں ہے۔ کچھ مسلم ممالک زرعی پیداوار کے معاملہ میں دولت مند ہیں تو کچھ خام مال میں۔ مثال کے طور پر متحدہ عرب جمہوریہ، پاکستان، انڈونیشیا اور ملائیشیا جیسے ممالک روٹی، گیہوں، جوڑ، برٹرا اور عمارتی لکڑی پیدا کرتے ہیں تو ایران، عراق، کویت، سعودی عرب اور ملائیشیا جیسے ممالک تیل اور ٹرن جیسی معدنی دولت سے مالا مال ہیں۔ دوسرے مسلم ممالک جن میں اب تک معدنی وسائل دریافت کئے ہی نہیں گئے ان کے علاوہ ہیں۔ ۵۰

ان سب کے علاوہ دنیائے انسانیت کا پانچواں حصہ ہونے کی وجہ سے دنیائے اسلام کے پاس افرادی قوت کی دولت بھی ہے۔ بحراوقیانوس کے ساحل سے آبنائے ملاکا تک دنیائے اسلام کے پاس ایک بہت بڑا رقبہ ہے۔ مسلم ممالک نسلی عناصر کے اعتبار سے بھی دولت مند ہیں۔ مثلاً عرب، ترک، ایرانی، پاکستانی، افغان اور ملائی۔ اسلام کی ہر قوم اپنی امتیازی خصوصیات سے منقخر ہے اور اسے ایسی صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں جو صرف عالم اسلام ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے امن اور فلاح و بہبود کے حصول میں پورا حصہ لے سکتی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مختلف عناصر و وسائل اور گونا گوں صلاحیتیں عوام الناس کی منفعت کے لئے کس طرح یکجا کی جاسکتی ہیں۔ ایک اہم عنصر جو مسلم دنیا کے اتحاد کو آسان بنا سکتا ہے وہ اسلامی اخوت کا روحانی رشتہ ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:-

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

وَإِذْ كَرِهَ اللَّهُ لَكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً

فَأَلَّفَ بَيْنَ تَلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

وَكَنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ

مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۵

”اور تم سب اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوط پکڑے رہو اور ٹکڑوں میں نہ بٹو۔ اور اپنے اوپر اللہ کا وہ انعام یاد رکھو جب کہ تم دشمن تھے، پس اللہ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم اللہ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اللہ نے تمہیں

اس سے بچالیا اسی طرح اللہ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم لوگ ہر پرہیزگار (۱۰۳)؛ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل فرمان کے ذریعہ مسلمانوں کے اتحاد پر

بٹرا زور دیا ہے؛

”مومن کا مومن سے تعلق اس عمارت کے اجڑ

المومن للمومن كالبنيات

بشد، بعضہ بعضا - ۷

کا سا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو بچتہ کرتا ہے۔

اسلام کی اخوت دینی کوئی قصہ پارینہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جسے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس اتحاد سے جو شاندار امکانات پیدا ہو سکتے ہیں ان کا تصور کرتے ہوئے صدر جمال عبدانہ صرنے لکھا ہے، ”جب میرا خیال انڈونیشیا کے آٹھ کروڑ، چین کے پانچ کروڑ اور ملایا، سیام اور برما کے لکھو لکھا، پاکستان کے دس کروڑ، مشرق وسطیٰ کے دس کروڑ یا کچھ زیادہ روس کے چار کروڑ (ہندستان کے چھ کروڑ مترجم) مسلمانوں اور پھر دنیا کے دور دراز مقامات پر مسلمانوں کی معتد بہ آبادی کی طرف جاتا ہے، جب میں کروڑوں افراد کو ایک عقیدہ سے منسک پاتا ہوں تو مجھے اس عظیم الشان قوت کا احساس ہوتا ہے جو ان کے اتحاد سے پیدا ہو سکتی ہے۔ پھر یہ اتحاد انہیں اپنے اپنے ملکوں کی وفاداری سے محروم کئے بغیر خود ان کے لئے نیز ان کے دوسرے بھائیوں کے لئے لامحدود قوت کی ضمانت دیتا ہے۔“

ان ناقادین کے لئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اب مشرق وسطیٰ میں اسلام ایک زندہ قوت نہیں ہے۔ پروٹیسٹ گب نے لکھا ہے ”ممکن ہے ان مغربی مبصرین کے پاس جو یہ سمجھتے ہیں کہ رسوم و اخلاق کے عملی موثر نظام کی حیثیت سے اب اسلام مشرق وسطیٰ میں غالب و موثر عامل نہیں، ممکن ہے ان کے پاس اس بارے میں کچھ حقائق و دلائل ہوں۔ لیکن اسلام وہ ہے جیسا مسلمان اسے سمجھتے ہیں اور جیسا مسلمان اسے اپنے قلوب میں محسوس کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی ایک بڑی اکثریت آج بھی خود کو جو شکیلا اور پکا مسلمان سمجھتی ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ موجودہ حالات میں مذہبی نقطہ نظر سے کچھ خطرات ہیں لیکن بہر حال حقیقت تو یہی ہے کہ مشرق وسطیٰ میں اب بھی اسلامی شعور سب سے بڑا ذریعہ اتحاد ہے۔“ ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ صرف مشرق وسطیٰ ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں ”اسلامی اقدار“ آج بھی ”پختہ ترین قوت اتحاد“ ہیں۔

موجودہ عالم اسلام کے دو بڑے مسائل یعنی سیاست اور مذہب کی علیحدگی اور اسلام میں قوم پرستانہ تحریکوں کے فروغ کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر زنتھال لکھتے ہیں: ”اسلام کے قدیم مذہبی اور سیاسی اتحاد کے تصور کو اب فرانسیسی انقلاب کے اثرات یعنی سیاست اور مذہب کی علیحدگی - سے خطرہ لاحق ہے لیکن اس نئے تصور کی یورش اور قوم پرستانہ تحریکوں کے پھیلنے کے باوجود نسلی،

معاشرتی اور ثقافتی تنوع کے درمیان آج بھی اسلام ہی ایک مضبوط رشتہ اتحاد کا کام دیتا ہے۔ لے
اب تک ہم نے ان مصنفین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مختلف النوع نظریات کے درمیان ایک قوت
اتحاد کی حیثیت سے اسلام کے اثر اور اسلام پر مغرب کے اثرات کے ورثہ کو تسلیم کیا ہے۔ دوسری طرف
کچھ ایسے مبصرین بھی موجود ہیں جو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلم دنیا میں اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کرنے
کے لئے اسلام کے علاوہ کوئی اور قوت ہے ہی نہیں۔ پروفیسر واٹ لکھتے ہیں کہ ”پورے عالم اسلام
میں (بلکہ چند ایسے گوشوں میں بھی جو اب تک نور اسلام سے منور نہیں ہوئے ہیں) مذہب اسلام کو
بروئے کار لائے بغیر ترقی پذیر اتحاد اور ہم آہنگی کی توقع مشکل ہی سے کی جاسکتی ہے۔“ لے
انگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلم ریاستوں کے فکرو عمل میں اتحاد پیدا کرنے اور اس طرح عالم اسلام
کو ایک نئی زندگی اور قوت عطا کرنے کے لئے اخوت کے اس تصور کو عملی شکل کیسے دی جاسکتی ہے۔
اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ حوادث کے مقابلہ میں بے حسی اور بے اعتنائی کے موجودہ رویہ کو باہمی امداد
اور خود اعتمادی کے رویہ سے بدل دیا جائے۔ اس اتحاد کی بنیاد مسلم ممالک میں مکمل مساوات اور باہمی
اعتماد پر رکھی جائے جو ”جمہورتوں کے ایک زندہ خاندان“ کی اس منزل کی طرف رہنمائی کرے جس کی
تبلیغ علامہ اقبالؒ نے کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں: ”فی الحال ہر مسلم قوم کو خود اپنی حالت کا بہ نظر غائر
مطالعہ کرنا چاہیے۔ وقتی طور پر اپنی نظر خود اپنی ذات پر مرکوز کرنی چاہیے یہاں تک کہ سب کے
سب اتنے مضبوط اور طاقتور ہو جائیں کہ وہ جمہورتوں کا ایک زندہ خاندان بنالیں۔“ لے یہ راستے عہد
حاضر کے اسلام کے ایک ممتاز مفکر نے کوئی چالیس سال پہلے دی تھی اس وقت سے اب تک ترقی
کے راستے پر مسلم ممالک نے کافی ناصحہ حاصل کر لیا ہے اور اس وقت جو ممالک استعماری بیجوں میں چھنے ہوئے
تھے انہوں نے کم از کم سیاسی آزادی تو حاصل کر لی ہے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اسلام کا مقصد محض عربوں کا ایک قومی مذہب بنا تھا۔ حقیقت یہ ہے
کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کے رجحان اور آپ کی رہنمائی میں اسلامی تحریک کے مطالعہ
سے یہ بات روز بروز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام کا منطقی تکملہ اس وقت ہوا جب وہ عرب
سے نکل کر بیرونی دنیا میں پھیلا۔

ان ناقدین کے لئے جو یہ کہتے ہیں کہ عملی دشواریوں کی وجہ سے اسلام کا اتحاد ممکن نہیں ہے ڈاکٹر اقبالؒ

نے لکھا ہے کہ "قوم پرست مفکرین کے خیال کے مطابق حقیقی اور جاندار اتحاد محض "علامتی بالادستی" سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اتحاد آزاد اور خود مختار ریاستوں کے تعدد کے باوجود ظہور پذیر ہو سکتا ہے بشرطیکہ نسلی رقابتوں (اور تعصبات) میں ایک مشترک دینی مقصد اعلیٰ کے اتحاد آفرین رشتے کے ذریعہ ہم آہنگی اور باہمی ربط و جود میں لایا جائے" ۱۲

اسی قسم کا تصور اس سے پہلے جمال الدین افغانی نے پیش کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تمام اسلامی ممالک خود کو کسی ایک حکمران کی حکومت تسلیم کر لیں کیونکہ غالباً یہ بہت دشوار امر ہے لیکن میں یہ توقع ضرور کرتا ہوں کہ یہ سب قرآنی قانون کی بالادستی کو تسلیم کریں اور اسلام کو اتحاد کا ذریعہ بنائیں۔ ۱۳

پروفیسر روچین گلین نے مشرق وسطیٰ کے مسائل کو "امین (عالم) کے لئے ایک مستقل خطرہ" سے تعبیر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "ان مسائل کا علاج اسلامی ملکوں کے درمیان ایک عظیم تر اتحاد اور جدید علوم و فنون سے کامل آشنائی کے علاوہ اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتا" ۱۴

دوسرا اہم عنصر جو اس اتحاد کو آسان بنا سکتا ہے وہ عربی زبان ہے۔ اسلامی ملکوں کو متحد کرنے میں یہ زبان ایک مفید مقصد پورا کر سکتی ہے اور یہ وہ خدمت ہے جو اسلام کے ابتدائی دور میں یہ زبان کامیابی سے انجام دے چکی ہے۔ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس سے کسی نہ کسی حد تک مانوس ہے اور قرآن کی زبان ہونے کی وجہ سے اس سے لگاؤ تو ہر مسلمان کو ہے۔ ایک دور میں عربی کی یہ حیثیت تھی کہ صرف عرب ہی کے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے علماء نے علم کی مختلف شاخوں میں اس زبان کے ذریعہ مفید اضافے کئے۔ بنا بریں ہر مسلمان اس شاندار ورثہ میں حصہ دار ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ پروفیسر گب لکھتے ہیں "قدیم عربی ادب ایک قوم نہیں بلکہ ایک پوری تہذیب کے دیرپا نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس زبان کی ترویج میں حصہ لینے والے مختلف نسلوں کے لوگ تھے جنہوں نے اپنے عرب فاتحین کے زیر اثر اپنی قومی زبانوں، روایتوں اور طور طریقوں کو فراموش کر دیا اور فک و یقین کے ایک ہی سانچے میں ڈھل گئے اور اس طرح ایک نئی اور وسیع تر عرب قوم میں مدغم ہو گئے" ۱۵

دو اور اسباب ایسے ہیں جو ہماری اس رائے کو تقویت دیتے ہیں کہ مسلم دنیا میں عربی کی تعلیم اور زیادہ وسیع طریقہ پر ہونی چاہیے ایک تو اس زبان کی اپنی گہرائی اور لطافت کی وجہ سے اور دوسرے عالم اسلام کی دوسری زبانوں سے اس کے ردِ البطل کی وجہ سے عربی زبان کے باسے

میں پرفیسر حطی کہتے ہیں "ازمنہ وسطیٰ میں کئی صدیوں تک پوری دنیا میں یہ علم و ثقافت اور ترقی یافتہ خیالات کی زبان رہی ہے۔ لاطینی کے بعد اس کے حروف تہجی دنیا میں سب سے زیادہ مستعمل ہیں یہی حروف فارسی، افغانی، اردو اور کئی ترکی، بربر اور ملائی زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں" ۱۹

ماضی میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں اسلامی اخوت کے نصب العین کو بڑی حد تک حاصل کر لیا گیا۔ اگرچہ بعض اوقات خود غرضانہ محرکات اور ذاتی عناد نے اس نصب العین کو آنکھوں سے اوجھل بھی کر دیا۔ صلیبی جنگوں کی مثال بیچے سلطان صلاح الدین (۸۹-۵۷۲ م مطابق ۹۳-۱۱۶۹ء) نے شمالی افریقہ اور اندلس کے موحد حکمران ابو یوسف یعقوب المنصور (۹۵-۵۸۰ م مطابق ۹۹-۱۱۸۴ء) کے دربار میں سفراء بھیج کر مدد کی درخواست کی اور اس نے پوری فراخ دلی سے اس درخواست پر لبیک کہا اور مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک سو اسی جہاز بھیجے۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ بغداد کی عباسی خلافت کے بارے میں سلطان صلاح الدین اور موحدین کے نقطہ نظر میں اختلاف تھا۔ سلطان خلیفہ کو تسلیم کرتا تھا جب کہ موحدین اسے تسلیم نہیں کرتے تھے اور اپنے نام کا خطبہ پڑھواتے تھے لیکن یہ اختلاف ایک اسلامی فرض کی ادائیگی میں موحدین کا مزاحم نہیں ہوا۔ اس سے پہلے یروشلم کے زوال کے موقع پر عباسی خلیفہ المستظهر (۵۱۲-۴۸۷ م مطابق ۱۱۱۸-۱۰۹۴ء) سلجوقی سلطان ملک شاہ کے بیٹوں سے آپس کے اختلافات ختم کرنے کی ناکام درخواست کر چکا تھا۔

جب غرناطہ کا آخری سلطان ابو عبداللہ محمد (جو ایک بار ۸۸۷ م سے ۸۸۸ م مطابق ۱۲۸۲ء سے ۱۲۸۳ء تک اور دوبارہ ۸۹۲ م سے ۸۹۷ م مطابق ۱۲۸۴ء سے ۱۲۹۲ء تک حکمران رہا) اور قسطنطینیہ کی مشترکہ فوجوں سے محصور ہو کر قلعہ بند ہو گیا تو اس نے اس شرط پر غرناطہ کو قسطنطینیہ کے حکمران کو دینے کا وعدہ کر لیا کہ اگر دو ماہ تک اسے رہائی نہ ہو سکی تو وہ اسے سلطنت سپرد کر دے گا اس کے بعد اس نے مسلمان حکمرانوں سے مدد کی درخواست کی اور اس درخواست کے جواب میں ملوکوں، صفویوں اور ویشیوں کے خلاف اپنی مشغولیت کے باوجود عثمانی سلطان بایزید ثانی (۹۱۱-۸۸۶ م مطابق ۱۵۱۲-۱۴۸۱ء) نے کمال رئیس کے تحت ایک بڑھ بھیمجا جو ترکی کے پہلے بڑے امیر البحر تھے۔ ۲۰

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان حکومتوں کے اپنے اندرونی اختلافات کچھ بھی اور کتنے

ہی کیوں نہ ہوں ان اختلافات کو اسلامی اتحاد اور اخوت کے عظیم تر مقصد کی راہ میں حاصل نہیں ہونا چاہیے۔
قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وان طائفان من المؤمنین اقتتلوا
فأصلحوا بينهما فان بغت احداها
على للاخرى فقاتلوا حتى تبغي حتى
تفنى إلى امر الله فان فاءت فاصلحوا
بينهما بالعدل وأقسطوا ان الله
يحب المقسطين۔

”اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں
تو ان کے درمیان اصلاح کر دو پھر اگر ان میں
کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس
گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ
وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر
رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل

کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند
کرتا ہے“ (۴۹:۱۹)

مزید ارشاد ہے:

انما المؤمنون اخوة فاصلحوا
بين اخويكم واتقوا الله لعنكم
ترحمون۔

”مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں
کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے
ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے“ (۴۹:۱۰)

ہم نے اب تک اس مسئلہ کے محض نظری پہلوؤں پر بحث کی ہے جب ایک بار یہ تسلیم کر لیا جائے
کہ مختلف میدانوں میں ترقی حاصل کرنے کی غرض سے مختلف مسلم ممالک کو اکٹھا کرنے کے لئے دینی اخوت
ایک بڑا عنصر ہے تو پھر ہمیں اس مسئلہ کے عملی پہلوؤں پر غور کرنا پڑے گا تاکہ ہم اس نصب العین کو عملی
شکل دے سکیں۔

چونکہ مختلف مسلم ممالک میں اتحاد پہلا بنیادی عامل ہے لہذا اسے مساوی نمائندگی کی بنیاد پر مسلم
ریاستوں کی ایک صحیح تنظیم کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی تنظیم کو بغیر کسی دشواری کے اپنے
فیصلوں کو نافذ کرانے میں اس وجہ سے اور آسانی ہوگی کہ اُسے متعلقہ حکومتوں کا اعتماد حاصل ہوگا۔
اس تنظیم کے انتظامی امور مثلاً صدر دفتر کے مقام کا تعیین، دفتر کی ہیئت، نمائندگی کی بنیاد اور عملہ
کے انتخاب وغیرہ کی تفصیلات مسلم ممالک خود طے کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی تنظیم کا تصور کوئی نیا تصور نہیں ہے۔

روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں متحدہ عالم اسلام کے لئے شدید تڑپ موجود ہے۔ یوں اس بات کا جواب وقت ہی سے گا کہ آیا اس قسم کی تنظیم کا قیام ممکن ہے اور اگر ہے تو کس شکل میں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس قسم کا کوئی بھی قدم ساری دنیا کے لئے بڑا اہم ہوگا۔

جیسا کہ یہیں علم ہے دوسری جنگ عظیم کے بعد سے مختلف بین الاقوامی اور علاقائی تنظیمیں وجود میں آ چکی ہیں جن میں سب سے اہم اور عظیم مجلس اقوام متحدہ ۲۶ جون ۱۹۴۵ء کو بین الاقوامی امن اور سلامتی قائم رکھنے کے لئے وجود میں آئی۔ اس کی مختلف شاخیں اس کے فرائض کو منضبط انداز میں پورا کرتی ہیں۔ جغرافیائی قربت کے لحاظ سے مسلمان حکومتوں کی بھی مختلف علاقائی تنظیمیں موجود ہیں جن کا مقصد مشترکہ معاشی، ثقافتی اور سیاسی مسائل کو حل کرنا ہے۔

اس قسم کی پہلی علاقائی تنظیم عرب دنیا میں نمودار ہوئی۔ باہمی مفاد اور استحکام کے لئے وزراء فرزند جذبات کا اظہار عرب لیگ کے معاہدہ کی شکل میں سامنے آیا جس پر مارش ۲۵ ۱۹۴۵ء میں قاہرہ میں دستخط ہوئے۔ یہ معاہدہ رکن ممالک کے درمیان تعلیمی، تجارتی اور عداصلاتی معاملات میں اتحاد کو ترقی دینے کے عزم کا دعویٰ ہے۔ اس معاہدہ میں کسی رکن ملک کے خلاف جارحیت کی صورت میں باہمی مشورہ کی شق موجود ہے اور معاہدہ آپس کے اختلافات کو بذریعہ قوت حل کرنے سے روکتا ہے۔ اس لیگ کا مقصد اور اس کا پہلا نائدہ عرب اتحاد کے ایک مرئی نشان کی شکل میں سامنے آیا جس نے بہت سے عربوں کی دلی خواہش کی تکمیل کر دی۔ اس قسم کا ایک دوسرا معاہدہ جو ابھی حال ہی میں ہوا ہے پاکستان، ایران اور ترکی کے درمیان معاہدہ استنبول (جون ۱۹۶۴ء) ہے جو علاقائی تعاون برائے ترقی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اوقات میں جو بین الاقوامی مشاورتی جلسے ہوئے مثلاً موتر عالم اسلامی اور رابطہ عالم اسلامی انہوں نے بھی دنیا کی توجہ مسلم ممالک کو درپیش مسائل کی طرف مبذول کرانے میں مفید خدمت انجام دی۔

اگر ایک بار اس قسم کی تنظیم کے ذریعہ مسلم حکومتوں میں اتحاد ہو جائے تو پھر تعلیمی، ثقافتی، فنی اور صنعتی میدانوں میں باہمی مفاد کے منصوبوں کے لئے یہ ممالک خود ہی بنیاد تلاش کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد یہ تنظیم علاقہ واری مثلاً مغرب (شمالی افریقہ) میں متحدہ عرب جمہوریہ اور سوڈان، ہلال زمین، جزیرہ نمائے عرب، ترکی، ایران، پاکستان اور افغانستان کے علاقے اور اسی طرح ملائیں، بحر اتر کی بنیاد پر مشترکہ منصوبوں

کا خاک بنا سکتی ہے۔ مشرقی اور مغربی افریقہ (میں صحرا (SAHARA) کے جنوب) کے مسلم ممالک مثلاً صومالیہ، گنیا، گنی، نائیجر، چڈ، مالی، سینیگال، ماریطانیہ اور نائیجیر یا اپنے سیاسی اور معاشی تقاضوں کے مطابق یا تو ایک دوسرے کے تعاون سے یا کسی علاقہ داری تنظیم سے اشتراک کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ولیم ایچ لیوس کہتے ہیں کہ ”قوی امکان اس بات کا ہے کہ خود کو طاقت ور بنانے کی خاطر

افریقی اسلام عرب دنیا سے رابطہ قائم کرے“ ۲۳

علاقہ داری بنیاد کے اس منصوبہ کو سختی کے ساتھ صنعتی مسائل جیسے مسلوں تک محدود رہنا چاہیے ورنہ اگر چھوٹی قومیں خود اپنی بھاری صنعتوں کے قیام کی کوشش کریں گی تو ان کی معاشیات پر بہت بوجھ بڑ جائے گا۔ اس کے برعکس چھوٹی قومیں بڑے تدر کا ثبوت دیں گی اگر وہ اپنا خام مال اپنے علاقہ کے اس ملک کو دیں جو صنعتیں قائم کرنے اور انھیں چلانے کا اہل ہو لیکن اس کے باوجود تیار شدہ مال ہر علاقہ کے رکن ممالک کو مہیا کیا جائے گا۔ لیکن رکن ممالک کے درمیان ثقافتی اور تعلیمی میدانوں میں بھی اور مواصلاتی ترقی میں بھی زیادہ زور بین العلاقاتی اتحاد پر دیا جانا چاہیے۔

اس طریقہ سے ہر علاقہ کے کچھ ممالک ضرورت کی اشیاء اور ساز و سامان مہیا کرنے کے اہل ہوں گے جب کہ چھوٹے ممالک بھاری صنعتوں میں روپیہ لگانے سے بچ جائیں گے۔ مزید برآں ضرورت کے وقت چھوٹے ممالک اپنے ساتھی مسلم ممالک کی مدد پر بھروسہ کر سکتے ہیں پھر وہ ایسے ممالک سے امداد لینے کی الجھنوں سے بھی بچ جائیں گے جن کے متعلق یہ نہیں معلوم کہ وہ ان کی حکمت عملی سے متفق ہوں یا نہ ہوں یا ان کی آرزوں سے ہمدردی رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں، بالآخر جب اسلام کا ہر علاقہ خود کفیل ہو جائے تو پھر وہ سارے عالم اسلام کے اقتدار، امن اور فلاح میں حصہ لے سکتا ہے جیسا کہ جمال الدین افغانی نے فرمایا تھا کہ ”ہر سربراہ ملک کو اپنی ریاست کے ساتھ دوسری ریاستوں کی حفاظت کے لئے بھی انتہائی جدوجہد کرنی چاہیے کیونکہ اس کا اپنا وجود پڑوسی ملک کے وجود سے مربوط ہے اور پڑوسی کی بقا کے بغیر اس کی اپنی بقا ناممکن ہے“ ۲۴

ان علاقہ داری تنظیموں کو محض ایسی اکائیاں سمجھنا چاہیے جو مختلف میدانوں میں ترقی کے لئے آسانیاں فراہم کرتی ہوں جن میں پوری مسلم دنیا کو متاثر کرنے والے بڑے مسائل کے بارے میں لائحہ عمل طے کیا جاتا ہو، ساتھ ہی ساتھ یہ تنظیم بین الاقوامی اخوت کو ترقی دینے اور عالمی امن کو قائم رکھنے میں

دوسری عالمی تنظیموں سے اشتراک کرے گی کیونکہ اسلام تو عالم گیر امن اور عالم گیر اخوت کا علم بردار ہے۔ قرآن پاک عالم گیر اخوت کے اصولوں کو حسبِ ذیل آیت میں بیان فرماتا ہے،

یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ
وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا
ان اکرمکم عند اللہ التقوا ان اللہ
علیم خبیر۔

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے

جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔“ (۱۳: ۲۹)

اقبال نے اسلام کو اقوام کی ”ایک ایسی تنظیم“ کہا تھا جو مصنوعی سرحدوں اور نسلی امتیازات کو محض اس لئے تسلیم کرتا ہے کہ اس سے اقوام کی ایک دوسرے سے شناخت ہو سکتی ہے نہ اس لئے کہ اس سے اپنے اراکین کے ثقافتی دائرے کو محدود کیا جائے۔“ ۲۵

قرآن پاک بنی نوع انسان کی وحدت کو حسبِ ذیل طریقے سے مزید واضح کرتا ہے،

وما کان الناس الا امة واحدة فاختلفوا
ولولا کلمة سبقت من ربنا لقضى
بینہم نیما فیہ یختلفون ہ

”اور تمام انسان ایک ہی امت تھے پھر اپنی کجگرائی سے، انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا۔“ (۱۹: ۱۰)

ایک مضبوط اور خوش حال مسلم دنیا جو عالم گیر اخوت کے اصولوں پر سختی سے ایمان رکھتی ہو عالمی امن قائم کرنے والی قوتوں کے لئے ایک قابلِ قدر چیز ہوگی۔ اس طرح اسلامی اتحاد و تعاون عالمی امن و تعاون کی تمہید ہے۔ پروفیسر مننگری واٹ نے بہت صحیح کہا ہے کہ ”عظیم تر اسلامی وحدت صرف (مسلمانوں کی) اکثریت کے مفاد ہی میں نہیں بلکہ بقیہ دنیا کے مفاد میں بھی ہے۔“ وہ مزید رائے دیتے ہیں کہ ”ہو سکتا ہے عالمی رائے عامہ کا کوئی حصہ ایسا بھی ہو جو اسلامی وحدت کے اضافہ کو خوش آمدید نہ کہے لیکن مذکورہ بالا فکر یہ ثابت کرتی ہے کہ اتحاد اور استحکام میں اس قسم کا اضافہ پوری دنیا کے مفاد میں اور اس طرح دنیا کے تقریباً سارے ہی ممالک کے مفاد میں ہوگا۔ اتحاد کی یہ بنیاد

اس رائے کو مان لینے کے مترادف ہے کہ جوں جوں دنیا اتحاد کی طرف آئے گی اس بات کی اہمیت بڑھتی جائے گی کہ وہ ممالک یا علاقے جہاں اسلامی ثقافت کی حکمرانی ہے، وہ علاقے اپنے آپ کو ایک وحدت متصور کریں۔ ۳۶

حواشی و حوالہ جات

۱۔ فلپ، کے، حطی۔ عربوں کی تاریخ۔ ص ۵۴۳، لندن ۱۹۵۳ء۔

۲۔ حطی، محولہ بلا ص ۵۵۔ مزید ملاحظہ ہو رافیل التامیرا کی تاریخ اندلس (انگریزی)، موناکی کی اسپینی کتاب کا ترجمہ ص ۱۱۲-۱۱۱، ص ۵-۱۲۳ نیویارک ۱۹۵۸ء۔

۳۔ ایچ، اے، آر، گب۔ محمدن ازم، ص ۱۶۵، لندن ۱۹۵۷ء۔

۴۔ برٹینڈرسل۔ معاشرہ پر سائنس کا اثر (انگریزی) ص ۱۹ لندن ۱۹۵۲ء۔

۵۔ ملاحظہ ہو البرٹ مے، میٹر۔ مقالہ "عرب ملکوں کی موجودہ معاشی ترقی کی ہیئت" (انگریزی) ص ۱۰۳-۹۷۔

"عرب مشرق وسطیٰ اور مسلم افریقہ" (انگریزی) تدوین ٹامبر کیریسن۔ ادارہ علم الاقوام، واشنگٹن ڈی سی ۱۹۶۱ء۔

انعام اللہ خان "مسلم دنیا کی معاشیات" (انگریزی) (عمومی اسلامی کانفرنس منعقدہ مکہ اپریل ۱۹۶۵ء

کے سامنے پیش کیا ہوا ایک مقالہ) موقر عالم اسلامی۔ جلد سوم شماره ۱ ص ۶۵-۴۹ سنگاپور، نومبر۔

دسمبر ۱۹۶۵ء۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو زیڈ، دائی، ہرشلگ "مشرق وسطیٰ کی جدید

معاشیات کا ایک تعارف" (انگریزی) لیڈن ۱۹۶۴ء۔

۶۔ مسلمانوں کی مجموعی آبادی انسٹوٹ کرڈر انٹالسین لاکھ چھبیس ہزار ہے جس میں اڑتیس کروڑ آٹھ لاکھ

چھبیس ہزار آزاد مسلم ممالک میں رہتے ہیں۔

۷۔ صحیح مسلم، جلد چہارم ص ۱۹۹ تاہرہ ۱۹۵۵ء۔

۸۔ جمال عبدالناصر "فلسفہ انقلاب" (انگریزی) ص ۳ دارالمعارف، قاہرہ ۱۹۵۴ء حوالہ از جی، ای،

گرونام "جدید اسلام" مقالہ "مسلم قومیت کے مسائل" ص ۲۱۳ کیلی فورنیا ۱۹۶۲ء۔

۹۔ ایچ، اے، آر، گب "عرب مشرق وسطیٰ میں سیاست اور امکانات" (انگریزی) ص ۱۷۵۔

"اسلامی مشرق قریب" تدوین ڈگلس گرانٹ، یونیورسٹی آف ٹورنٹو۔ سماجی نظریہ جات، ٹورنٹو ۱۹۶۰ء۔

۱۱ ڈاکٹر آئی، آر، اے، الفاروقی نے مشورہ دیا ہے کہ "اسلام کی طرف دعوت دینے کی بجائے مسلمانوں —
 (ISLAMISTS) کو چاہیے کہ وہ انسانوں کو اسلامی اقدار کی طرف دعوت دیں۔ صحیح معنوں میں
 مؤثر ہونے کے علاوہ یہ دعوت و فاداری کو اس کے اصل مقام پر رکھے گی اور ان اقدار کے تشخص سے
 جن سے اسلام مرکب ہے غلط فہمیوں کے بادل دور کر دے گی۔ اس وقت مسلم فضلاء کا فرض یہ ہو گا کہ وہ
 ان اقدار کی ماہیت، ان کا صحیح مقام اور ان کے باہمی تعلقات و تعلقات کی وضاحت کریں۔" عربیت،
 عرب و اور مذہب کے بارے میں (انگریزی) ص ۱۱۷، ایسٹرم ۱۹۶۲ء۔

۱۲ ای، آئی، جے، روزننہال "اسلام موجودہ قومی مملکت میں" تعارف ص ۱۱۳ (روزن) کیمبرج ۱۹۶۵ء۔
 یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ عربیت اور عرب قومیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے
 ڈاکٹر الفاروقی نے لکھا ہے کہ "یورپ کی قومیت کے جواب میں جو ایسے آزاد افراد کی ایک شعوری خواہش
 ہے جو دوسرے افراد سے بالکل مختلف اپنے تشخص کا ایک تصور رکھتے ہیں عرب قومیت موجودہ دنیا کے
 لئے ایک جنسی اصطلاح ہے..... مغربی قسم کی جمہوریت سے عرب تاریخ بھی نا بلد ہے۔ اگرچہ ایسی
 مثالیں مل سکتی ہیں جن میں کسی عرب ملک کا رویہ قوم پرستی پر مبنی رہا ہو لیکن اس قسم کے رویہ کو ان لوگوں
 کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا جنہوں نے ایسے حکمرانوں کے انفعالی اتباع پر قناعت کی جنہوں نے
 ذاتی اغراض کے حصول میں ساری قوت صرف کر دی۔"

۱۳ ڈبلیو، منٹگری، واٹ "اسلامی وحدت کے بارے میں افکار" (انگریزی) اسلامک کوارٹری، جلد سوم،
 شمارہ ۳ ص ۱۹۳ لندن، اکتوبر ۱۹۵۶ء

۱۴ محمد اقبال "تشکیل جدید الہیات" (انگریزی) ص ۱۵۹ لاہور ۱۹۶۶ء۔

۱۵ محمد اقبال "محولہ بالا ص ۱۵۹۔"

۱۶ جمال الدین افغانی "العروۃ الوثقی" مقالہ "الوحدة الاسلامیة" ص ۷۲ قاہرہ ۱۹۵۷ء

۱۷ جیکس دوخنے گلیمین۔ مقالہ "اسلام کس وضع پر ہے؟" مسلم تہذیب میں وحدت و کثرت (انگریزی)

مدوین گستیوان گردنام ص ۳ شیکاگو ۱۹۵۵ء۔

۱۸ ایچ، اے، آر، گب "عربی ادب" (انگریزی) ص ۱ آکسفورڈ ۱۹۶۳ء۔

۱۹ یہاں پشتو زبان کی طرف اشارہ ہے جسے چالیس لاکھ سے زیادہ افراد بولتے ہیں۔ ملاحظہ ہو،

جی، مارگسٹرن "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" مقالہ "افغان" جلد اول ص ۲۱-۲۱۶ لیڈن ۱۹۶۰ء

۱۹ غلبہ کے حیطی "عربوں کی تاریخ" (انگریزی) ص ۳۰۔

۲۰ ابن خلدن "ذیات الاعیان" جلد ششم ص ۱۲ قاہرہ ۱۹۴۸ء۔ ابن خلدن "تاریخ" جلد ششم،

ص ۵۱۳، بیروت ۱۹۵۹ء۔

۲۱ ابن الاثیر "تاریخ" جلد دہم ص ۹۸ قاہرہ ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء۔

۲۲ ای، ایس، کریزی "عثمانی ترکوں کی تاریخ" ص ۱۲۲ بیروت ۱۹۶۱ء۔

۲۳ ملاحظہ ہو رتھ، بی، رسل "اقوام متحدہ کا منشور" (انگریزی) ضمیمہ "ایم" ص ۱۰۳۶۔ دی بروکنز انسٹی

ٹیوشنز، واشنگٹن ڈی سی ۱۹۵۸ء۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ انجمن اقوام کے معاہدہ دوم نمبر ۲۱ ستمبر ۱۹۲۶ء) میں بھی اسی قسم کا مقصد موجود تھا۔ "بین الاقوامی اشتراک کو ترقی دینے اور بین الاقوامی امن و

حفاظت کو حاصل کرنے کے لئے....." ملاحظہ ہو رتھ، بی، رسل۔ محولہ بالا ضمیمہ "ای" ص ۹۷۸۔

۲۴ حیطی۔ محولہ بالا ص ۵۶، عمومی عرب کانفرنس کے رائے دہندگان کی کمیٹی نے جو ان عرب وفد کے

رؤسا اور اراکین پر مشتمل تھی جو اسکندریہ میں، اکتوبر ۱۹۴۴ء کو جمع ہوئے تھے، عرب لیگ قائم کرنے کی

سفارش کی تھی۔ انجمن ریاست ہائے عرب کے معاہدہ قاہرہ نمبر ۲۲، مارش ۱۹۴۵ء کے مطابق "ان

قریبی تعلقات اور گونا گوں روابط کو مستحکم کرنے کے لئے جو عرب ریاستوں کو آپس میں مربوط کرتے

ہیں اور ان ریاستوں کے لئے آزادی اور اقتدار کے احترام کی بنیاد پر ان تعلقات کو قائم

کرنے کے لئے خواہش مند ہونے کی بنا پر اور اپنی ماسالی کارخ عرب ریاستوں کی بہبود کی جانب

موڑنے کے لئے، اپنے حالات کو درست کرنے کے لئے، اپنے مستقبل کی حفاظت کے لئے اور اپنی

امیدوں اور تمناؤں کی تکمیل کے لئے اور عرب دنیا کے ہر گوشہ کی رائے عامہ کے احترام میں..... ایک

معاہدہ میں شامل ہونے پر رضامند ہو گئے ہیں۔" (ملاحظہ ہو ترجمہ خلیل "ریاست ہائے عرب اور عرب

لیگ" (انگریزی) جلد دوم ص ۶-۵۲ بیروت ۱۹۶۲ء) اس میں کل تین مقالات ہیں (ملاحظہ ہو

مترجم خلیل۔ محولہ بالا ص ۹-۵۷)۔

۲۵ ایڈورڈ عطیہ "عرب باشندے" (انگریزی) ص ۱۷۰ پلیکن سلسلہ کی ایک کتاب، ایڈنبرا ۱۹۵۵ء

۲۶ ملاحظہ ہو مؤتمر عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل مشرانعام اللہ کی رپورٹ جلد ۲ شمارہ ۵ ص ۶۶-۵۷، سنگاپور

اپریل ۱۹۶۵ء میں وہ کہتے ہیں کہ "تقریباً امداد باہمی کی بنیاد پر مسلم ممالک کی ایک دولت مشترکہ کے قیام کے لئے مسلم ممالک پر زور دیتی چلی آئی ہے۔" (ص ۶۵)۔ مزید ملاحظہ ہو مگادیشو (سوالیہ) میں منعقدہ چھٹی عالمی مسلم کانفرنس (۶۵-۱۹۶۴ء) کی مختصر روداد جسے موجودہ دنیائے اسلام کی شاہراہ کا سنگ میل سمجھا گیا۔ ایرک، ڈیمبو، ہیٹھ مین "عالم اسلام" (انگریزی) جلد ۵۵ شماره ۴ ص ۲۰۲-۲۹۲۔ دی ہارٹ فورڈ سیمیناری فاؤنڈیشن، ہارٹ فورڈ اکتوبر ۱۹۶۵ء۔

۲۷۔ ملاحظہ ہو رابطہ عالم اسلامی کی رائے دہندگان کونسل کے پانچویں اجلاس منعقدہ مکہ (۱۹۶۴ء) کی تجاویز۔ رابطہ عالم اسلامی، جلد دوم شماره ۵ ص ۲۹-۵۔ مزید ملاحظہ ہو رابطہ عالم اسلامی کے افتتاحی اجلاس منعقدہ مکہ ۱۹۶۵ء میں سیکرٹری جنرل شیخ محمد سرور الصبان کا خطبہ جس میں وہ کہتے ہیں کہ "رابطہ عالم اسلامی کو سارے سیاسی اثرات سے پاک خالص اسلامی محرکات کے ساتھ شروع ہی سے اس انداز پر قائم کیا گیا ہے کہ وہ ان بنیادی عادلانہ مقاصد سے نہ ہٹے جو مسلمانوں کو ایک معین عقیدہ کے گرد متحد کرتے ہیں۔" (ص ۶)۔

۲۸۔ مجموعی طور پر "مغرب" کی اصطلاح مصر کے مغرب میں سائے شمالی افریقہ پر منطبق کی جاتی ہے یعنی لیبیا، تیونس، الجبیریا اور مراکش..... میرے خیال میں حقیقت یہ ہے کہ مغرب کا کسی قسم کا اتحاد ہمارے سیاسی ساخت کے امکانات میں سے ایک ہے۔ ملاحظہ ہو ولیم سینڈرز مقالہ "متحدہ مغرب کے لئے امکانات" عرب مشرق وسطیٰ اور مسلم افریقہ" (انگریزی) محولہ بالا ص ۸۵ و ۹۴۔

۲۹۔ بحیرہ روم کے جنوب مشرقی کنارہ اور خلیج فارس کے بالائی حصہ کے درمیان کا وہ علاقہ جو ایک کمان کی شکل بناتا ہے (ملاحظہ ہو حطی۔ محولہ بالا ص ۱) اس میں شام، عراق، اردن اور لبنان وغیرہ جیسے ممالک شامل ہیں۔

۳۰۔ سعودی عرب، یمن اور کویت جن کے لئے جزیرہ نمائے عرب کے حسب ذیل علاقوں میں شامل ہونے یا اپنے مفاد کے مطابق ایک علیحدہ علاقہ داری گروہ بنانے کے امکانات ہیں۔ عدن، مغربی اور مشرقی عدن کی پروٹیکٹوریٹ (حکومت زیر حمایت) ریاستیں (جن میں باب المندب کے راس ضربات علی البک کا عرب کا جنوبی ساحل شامل ہے) خلیج فارس میں سلطانوں اور شیخوں کے علاقے یعنی مسقط اور عمان اور بحرین، قطر، ابو ذہبی، دوبئی، شارقہ، راس الخیمہ، مچان، ام القیوین اور فجیرہ۔

لاحظہ ہو ایچ، بی، شرنی، بیسویں صدی میں مشرق وسطیٰ کی حکومت اور سیاست“ (انگریزی) ص ۲۵۵-
 نیویارک ۶۱۹۶۲- جی ریٹنر۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مقالہ ”جزیرۃ العرب“ جلد اول ص ۴-۵۳۹-
 اولاف فون۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مقالہ ”عدن“ جلد اول ص ۲-۱۸۰- سئی ایف بکنگھم۔
 انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مقالہ ”بحر فارس“ جلد اول ص ۹-۲۷- جی، ریٹنر اور ڈبلیو، ای، بیکن
 انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مقالہ ”بحرین“ جلد اول ص ۴-۹۲۱- فییبے مار انسائیکلو پیڈیا آف
 اسلام مقالہ ”دوبئی“ جلد دوم ص ۹-۴۱۸ لیڈن ۱۹۶۵- عبدالعزیز کمال انسائیکلو پیڈیا آف
 اسلام مقالہ ”فجیرہ“ جلد دوم ص ۳۷-۹۳۴- رورپٹ ہے ”خلیج فارس کی ریاستیں“ (انگریزی)
 ص ۱۳۴-۸۷۷- واشنگٹن ڈی، سی ۱۹۶۵-

۳۱۔ لائیشیا، انڈونیشیا اور برونی کی ریاستیں۔

۳۲۔ مشرقی اور مغربی افریقہ میں مسلمان آبادی کے اعداد و شمار کے لئے ملاحظہ ہو جے، اسپنسر،
 ٹرینگھم ”مشرقی افریقہ میں اسلام“ (انگریزی) ص ۷۵-۳۱- آکسفورڈ ۱۹۶۳- مصنف موصوف
 ”مغربی افریقہ میں اسلام“ (انگریزی) ص ۲۲۳- آکسفورڈ ۱۹۵۹- مزید ملاحظہ ہو آر، کارنیون
 انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مقالہ ”گنی“ جلد دوم ص ۳-۱۳۱- ڈی، ایچ جونسن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام
 مقالہ ”گنیا“ جلد دوم ص ۷۵-۹۷-

۳۳۔ ولیم، ایچ، لیوس مقالہ ”افریقہ میں اسلام اور قومیت پرستی“ عرب مشرق وسطیٰ اور مسلم افریقہ محمولہ بالا
 ۳۴۔ جمال الدین افغانی محمولہ بالا ص ۷۲-

۳۵۔ محمد اقبال، محمولہ بالا ص ۱۵۹- مزید ملاحظہ ہو۔ مصنف موصوف۔ مقالہ ”جغرافیائی
 حدود اور مسلمان“ مقالات اقبال (اردو) ص ۳۸-۲۲۱- تدوین سید عبدالواحد معینی،
 لاہور ۱۹۶۳-

۳۶۔ ڈبلیو، منٹگری، واٹ۔ محمولہ بالا ص ۱۹۴-

